مقالہ خصوصی
(قسط نمبر ۲)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی *

سائنسی علوم اور قرآن کا نظریہ علم

غرض قرآنی نظریہ علم کے مطابق انسان محسوسات و معقولات کی رو سے ۔ظاہری طور پر' اشیا کی کنہہ و حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ یعنی اس حقیقت تک جس کو خالق کائنات نوع انسانی پر اپنی حجت پوری کرنے کی غرض سے دکھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض و غایت کی خاطر اس نے اس سلسلہ وجود میں اپنا ''آیاتی نظام'' قائم کر رکھا ہے یعنی صحیفہ فطرت کے ہر ہر مظہر میں خلاق ازل نے اپنی خلاقیت کی ''نشانیاں'' رکھ چھوڑی ہیں جو محسوسات و معقولات کے ذریعہ انسانی مشاہدے میں آسکتی ہیں۔ جن کے ملاحظے سے کلام الٰہی کی تصدیق و تائید ہوتی ہے مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

سنریهم ایاتنا فی الافاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔ (حم سجدہ:۵۳)

''ہم ان لوگوں (منکرین خدا) کو بہت جلد اپنی نشانیاں دکھادیں گے' آفاق میں (ان کے چاروں طرف) بھی اور انکے انفس (ان کے جسمانی ونفسیاتی وجودوں) میں بھی' یہاں تک کہ ان پر بخوبی واضح ہو جائے کہ یہ کلام برحق ہے۔''

وفی الارض ایات للموقنین۔ وفی انفسکم افلا تبصرون (ذاریات:۲۰۔۲۱)

''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمہاری اپنی ہستیوں (جسمانی ونفسیاتی نظاموں) میں بھی' تو کیا یہ حقائق تم کو نظر نہیں آتے؟''

پہلی آیت دلیل ناطق ہے کہ باری تعالیٰ منکرین و معاندین کو اپنے نشانہائے ربوبیت دکھا کے رہے گا جن کے ذریعہ قرآن عظیم کے دعووں اور اس کے علمی تصورات کی تصدیق ہو کر رہے گی۔ جب کہ دوسری دونوں آیات کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کی نظر میں انسان آفاقی وانفسی دلائل یا مظاہر کائنات میں موجود خدائی شہادتوں کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آیت کریمہ۔ پورے ''عالم شہادت'' کو نوع انسانی پر بطور حجت پیش کرتی ہے:

اولم ینظروافی ملکوت السموت والارض وما خلق الله من شئی وأن یکون قد اقترب اجلهم فبائی حدیث بعده یومنون (اعراف:۱۸۵)

''کیا انہوں نے زمین' اجرام سماوی اور اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کا جائزہ نہیں لیا؟ اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ ان کا

* ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور۔۲۹

وقت قریب آچکا ہے۔ اس (واضح کلام) کے بعد وہ پھر کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

اسی طرح حسب ذیل آیات بھی اس سلسلے میں واضح دلائل کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے مطابق نوع انسانی ''آیات الٰہی'' یا آفاقی وانفسی دلائل وبینات کا مشاہدہ کرسکتی ہے:

ویریکم ایاته فأی ایات الله تنکرون (مومن:۸۱)

''وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھادے گا۔ پھر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرتے رہو گے؟''

خلق الانسان من عجل ساو ریکم ایاتی فلا تستعجلون (انبیاء:۳۷)

''انسان (کی سرشت) میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے تو میں عنقریب تم کو اپنے نشانات (ربوبیت) دکھادوں گا۔ لہٰذا تم جلدی مت کرو۔''

- وقل الحمدلله سیریکم ایاته فتعرفونها (نمل:۹۳)

''کہہ دو کہ تعریف کا مستحق صرف اللہ ہے وہ تم کو بہت جلد اپنی نشانیاں دکھادے گا اور تم ان کو پہچان لوگے۔''

ان تمام اعتبارات سے قرآنی نظریہ علم کے قضایا حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حواس اور تعقل و تفکر یعنی محسوسات و معقولات کا ذریعہ انسان کا علم یا ''علم الاسماء'' ظاہری طور پر حاصل کرسکتا ہے اس اعتبار سے قرآن کی نظر میں اشیاء کا خارجی وجود ثابت ہے۔ اور وہ نظروں کا دھوکا نہیں ہے جیسا کہ فلسفہ تصوریت کا دعویٰ ہے۔

۲۔ محسوسات و معقولات کے ذریعہ (مشاہداتی واستدلالی طور پر) انسان حقیقت حال یا اشیاء کی تہہ تک (ظاہری اعتبار سے) ضرور پہنچ سکتا ہے اور یہ وہی علم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسما کے روپ میں بطور تحفہ عطا کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں "افلا تبصرون؟" اور "افلا تعقلون" وغیرہ کے ذریعہ اسی علم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ایک حیثیت سے استدلالی ہے تو دوسری حیثیت سے تمدنی فوائد سے بھرپور بھی ہے اور اسی علم کی بدولت تسخیر کائنات بھی علم میں آتی ہے۔

۳۔ عالم طبیعیات یا طبیعی حقائق یا ''قوانین قدرت'' کے ذریعے ماوراء مادہ یا مابعد الطبیعی صداقتوں پر استدلال کیا جاسکتا ہے جن سے موجودہ دور میں سائنس اور فلسفہ دونوں جی چرا رہے ہیں۔ چنانچہ اشیاء کی بناوٹ اور ان کی کارکردگی کے سلسلے میں سائنس جہاں پر اسباب وعلل کا پتہ لگانے میں ہتھیار ڈال دیتی ہے تو وہاں سے ایک فوق الطبیعی سرحد شروع ہوجاتی ہے اور ایک علت العلل ہستی کا اثبات ہوتا ہے ورنہ پھر مظاہر کائنات کی عقلی اعتبار سے کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اسباب وعلل سے بھری یہ کائنات مزید پراسرار ہوجاتی ہے۔

۴۔ اشیاء کا ظاہری علم نوع انسانی پر حجت ہے۔ اگر اسے قابل استدلال نہ مانا جائے تو پھر قرآن عظیم کا پورا نظام دلائل بیکار اور مہمل بن کر رہ جاتا ہے بلکہ اس سے خود قرآن عظیم بھی غیر معتبر قرار پاتا ہے' معاذ اللہ

۵۔ باقی رہا اشیاء یا موجودات عالم کا باطنی علم، یعنی علل بعیدہ کی حقیقت و ماہیت تو وہ انسانی حواس اور اس کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ دلیل واستدلال کیلئے حواس ظاہری کے ذریعہ حاصل ہونے والا ''ظاہری علم'' بہت کافی ہے جس کو قرآن بعض مواقع پر ''علم قلیل'' قرار دیتا ہے (اسراء:۸۵) اور اس میں نکتہ کی بات یہ ہے کہ وہ حقیقی علم کے مقابلے میں ''بہت تھوڑا'' سا ہے مگر ہے ضرور، ورنہ پھر انسان پر حجت پوری نہیں ہوسکتی۔ اس حقیقت کا اظہار ایک دوسرے موقع پر اس طرح کیا گیا ہے،

ولا یحیطون بشئی من علمه الاء بما شاء

''یہ لوگ اس کے علم کا اتنا ہی احاطہ کرسکتے ہیں جتنا کہ وہ چاہے''

حاصل یہ کہ انسان اگرچہ مظاہر الفطرت کا کلی ادراک تو نہیں کرسکتا اور ان کے بواطن میں جھانک کر دیکھ نہیں سکتا مگر وہ ان اشیاء میں موجود ظاہری اسباب وعلل کا پتہ لگا کر ان کے فوائد سے مستفید ضرور ہوسکتا ہے اس اعتبار سے قوانین قدرت یا قوانین ربوبیت کی دو حیثیتیں ہیں: ایک ظاہری اور دوسرے باطنی۔ چنانچہ ظاہری اسباب ہی کے ذریعہ تسخیر کائنات بھی عمل میں آتی ہے اس مظاہرہ ربوبیت کے ذریعہ بے لگام ''عقلیت'' کو بھی قابو میں لانا مقصود ہے۔ واللہ اعلم

معقولاتی علم کیا ہے؟

جیسا کہ پچھلے مباحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ معقولات سے مراد خصوصی طور پر فلسفہ ہے اگرچہ اس کا اطلاق ایک حد تک سائنسی علوم پر اس حیثیت سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مادی اشیاء کا نہایت درجہ دقت نظر اور باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرکے ان نتائج تک پہنچتی ہے جو علمی قضایا یا قوانین قدرت کے روپ میں ان اشیاء میں موجود ہیں اس اعتبار سے معقولات میں سائنس اور فلسفہ دونوں شامل ہوسکتے ہیں، جب کہ اس کا اطلاق فلسفے پر زیادہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اشیاء کی حقیقت اور ان کی تہہ تک پہنچنے اور ان کی کارکردگی دریافت کرنے کیلئے کافی محنت وجستجو اور غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بعض قوانین قدرت تو ایسے ہیں جو سینکڑوں سال کے مسلسل غور وفکر کے بعد دریافت ہوتے ہیں۔

عصر جدید میں دوربین کی ایجاد کے بعد ارضی وسماوی اشیاء کے بہت سے اسرار وحقائق سامنے آچکے ہیں، جن کا دور قدیم میں کوئی تصور تک نہیں تھا چنانچہ دوربین کے ذریعہ مشاہدے کے باعث کہکشاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہمارے سامنے آچکا ہے۔ جو اربوں کی تعداد میں ہیں اور ہر ایک کہکشاں میں کم از کم ایک کھرب ستارے، ہمارے سورج جیسے موجود ہیں اور کہکشاؤں کی یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے یعنی ہر کہکشاں ایک دوسرے سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اس سے ماہرین فلکیات نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اربوں سال پہلے اجرام سماوی کا یہ پورا مادہ باہم ملا ہوا تھا، جس میں ایک زوردار دھماکہ ہوا، جس کے باعث تمام کہکشائیں، ستارے اور سیارے وجود میں آگئے اور اس دھماکے کی وجہ سے یہ اجرام مسلسل ایک دوسرے سے ہٹتے جارہے ہیں۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس قدر عظیم ''کائناتی مادہ'' کہاں سے آ گیا؟ وہ یکجا کس طرح ہوا؟ اور اس میں بغیر کسی خالق کے خود بخود دھماکہ کیسے ہو گیا؟ تو یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب نہ تو سائنس کے پاس موجود ہے اور نہ فلسفے کے پاس۔ لیکن کلامی نقطہ نظر سے اس کا جواب صاف ہے کہ مادیات کے ماوراء کوئی خلاق اور پر جلال ہستی ضرور موجود ہے جو ان کرشموں کے ذریعہ اپنی موجودگی کی خبر دے رہی ہے۔

اس سلسلے میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ یہ اربوں کہکشائیں اور ان میں موجود کھربوں کھربوں ستارے وسیارے ایک نفیس اور بے داغ نظام کے تحت آپس میں ٹکرائے بغیر کس طرح رواں دواں ہیں؟ کیا بغیر کسی ناظم ونگران ہستی کے اس قدر منظم اور اعلیٰ درجے کا نظام چل بھی سکتا ہے؟ یہ سوال پہلے سوال سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ دھماکہ کسی نہ کسی طرح ہو بھی گیا تو پھر اس بے عیب نظام کی توجیہ ضروری ہے مگر اس کا صحیح جواب دینے سے سائنس اور فلسفہ دونوں عاجز ہیں۔

ایک اور مثال لیجئے' ہماری زمین سورج کے اطراف گھوم رہی ہے مگر ایک خاص دوری کے ساتھ چنانچہ زمین سے سورج تک کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور یہ فاصلہ گرمیوں میں پندرہ لاکھ میل کم ہو جاتا ہے جب کہ سردیوں میں پندرہ لاکھ میل زیادہ ہو جاتا ہے اسی کمی بیشی کی وجہ سے موسم گرما اور سرما آتے ہیں۔ لیکن یہ فاصلہ اگر دس بیس لاکھ میل مزید گھٹ یا بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روئے زمین پر تمام حیوانات ونباتات یا تو جھلس کر رہ جائیں گے یا پھر ٹھٹک کر ختم ہو جائیں گے۔

اسی طرح ہوا میں موجود عناصر کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ نائیٹروجن پر مشتمل ہے جب کہ اس میں تقریباً پانچواں ایک حصہ آکسیجن پائی جاتی ہے لیکن اگر اس تناسب میں فرق آ جائے اور نائٹروجن کی مقدار بڑھ جائے تو زمین پر آگ جل ہی نہیں سکتی اور اگر آکسیجن کی مقدار بڑھ جائے تو ذرا سی رگڑ سے ہر جگہ آگ پیدا ہو جاتی ہے نتیجہ یہ کہ حیوانات ونباتات کا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔

اب سوال یہ ہے کہ بغیر کسی خالق وناظم کے یہ حکیمانہ نظام کس طرح وجود میں آ گیا جو زندگی کیلئے پوری طرح سازگار ہے؟ اس قسم کے بے شمار سوالات ہیں جن کا صحیح جواب سائنس اور فلسفہ نہیں دے سکتے بلکہ مادہ پرست فلاسفہ اس قسم کے تمام سوالات کے جواب میں اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ بغیر کسی مابعد الطبیعی وجود کے یونہی خود بخود ہو رہا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ کوئی علمی یا تحقیقی جواب نہیں' بلکہ حقائق سے آنکھیں چرانا ہے مادہ پرستوں کے اس رویہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اہل مذہب پر جس ''تعصب'' اور ''بے علمی'' کا الزام عائد کرتے ہیں اس میں وہ خود ہی بُری رائے میں مبتلا ہیں۔

بہر حال یہ تو آسمانی دنیا کی بات ہوئی' اب زمینی اشیاء کی طرف آیئے تو معلوم ہوگا کہ تحقیقات جدیدہ کے مطابق تمام مادی اشیاء نہایت درجہ ننھے ننھے اجزاء سے مل کر بنی ہوئی ہیں' جو بنیادی طور پر تین قسم کے ہیں: الیکٹران'

پروٹان اور نیوٹران۔ الیکٹران اور پروٹان بجلی کے ذرات ہیں' اول میں منفی اور دوسرے میں مثبت برقی چارج ہوتا ہے' جبکہ نیوٹران میں کسی قسم کا برقی چارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ نظام فطرت میں ہائیڈروجن سے لے کر یورانیم تک جو ۹۲ عناصر (قدرتی) پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب انہیں تین اجزاء سے مرکب ہیں۔ اس لحاظ سے تمام عناصر کا بنیادی ڈھانچہ ایک ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی عنصر میں ان اجزاء کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً ہائیڈروجن عنصر میں صرف ایک الیکٹران' ایک پروٹان اور ایک نیوٹران ہوتا ہے' جب کہ ہیلیم میں دو الیکٹران' دو پروٹان' اور دو نیوٹران ہوتے ہیں۔ لیتھیم میں ان کی تعداد تین تین' کاربن میں چھ چھ' نائیٹروجن میں سات سات' سلیکون میں چودہ چودہ ہوتی ہے اسی طرح مختلف عناصر میں ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے جیسا بورون' آکسیجن' سوڈیم' ایوڈن' کلورین' میگنیشیم' کیلشیم' المونیم' لوہا' تانبا' جست' ٹن' سونا' چاندی' پلاٹینیم اور ریڈیم وغیرہ وغیرہ' ان سب کی تفصیلات کے لئے علم کیمیاء کی کوئی کتاب ملاحظہ ہو۔ تمام عناصر میں پروٹان اور نیوٹران باہم ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ایک مرکزے کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جب کہ الیکٹران کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں مگر حیرت انگیز طور پر صرف ایک حرف ''جزء'' کی کمی بیشی سے نہ صرف یہ کہ ان عناصر کی صورت شکل بدل جاتی ہے بلکہ ان کی خصوصیات میں بھی زبردست تبدیلی آجاتی ہے۔ چنانچہ ان تین بنیادی اجزاء کی کمی بیشی سے نہ صرف یہ کہ ان عناصر کی صورت شکل بدل جاتی ہے بلکہ ان کی خصوصیات میں بھی زبردست تبدیلی آجاتی ہے۔ چنانچہ ان تین بنیادی اجزاء کی کمی بیشی کی وجہ سے کوئی عنصر یا تو دھات بن جاتا ہے جیسے کیلشیم' میگنیشیم' المونیم' سونا اور چاندی وغیرہ۔ یا پھر وہ گیس کی شکل اختیار کر لیتا ہے جیسے ہائیڈروجن' ہیلیم' آکسیجن اور کلورین وغیرہ۔ جب کہ بعض عناصر ٹھوس ہوتے ہیں۔ جو نہ تو گیس ہوتے ہیں اور نہ دھات' جیسے کاربن' ایوڈن اور سلفر وغیرہ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی طبیعی خصوصیات بھی الگ الگ ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ الیکٹران' پروٹان اور نیوٹران جیسے بنیادی اجزاء سے مختلف خصوصیات کے حامل یہ ۹۲ عناصر کس طرح وجود میں آگئے؟ اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ جب یہ مفرد عناصر دو یا دو سے زیادہ تعداد میں مل کر ''مرکبات'' (دنیا بھر کی اشیاء میں پائے جانے والے) بنتے ہیں تو ان مفرد عناصر کی خصوصیات زائل ہو کر نئی خصوصیات کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں؟ مثال کے طور پر ہائیڈروجن ایک جلنے والی گیس ہے' جب کہ آکسیجن چیزوں کو جلانے میں مدد دینے والی ایک گیس۔ مگر ان دونوں کے تعامل سے چیزوں کو بجھانے میں مدد دینے والی ایک نئی چیز یعنی پانی کس طرح وجود میں آگئی؟ اس راز کو دنیا کا کوئی بھی سائنس داں فاش نہیں کر سکتا۔ یہی آکسیجن پیڑ پودوں میں جب ''شعاعی ترکیب'' (فوٹوسنتھے سیس (۱۷)) کے ذریعے پانی اور کاربن کے ساتھ مرکب ہوتی ہے تو وہ نشاستہ (کاربوہائیڈریٹ (۱۸)) کا روپ دھار لیتی ہے۔ جو حیوانی غذا کا بنیادی جزء ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی بھی عنصر میں مفرد طور پر نشاستے یا شکر کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح مذکورہ بالا تین عناصر میں جب نائٹروجن کا اضافہ ہوتا ہے تو وہ لحمیہ (پروٹین (۱۹)) بن جاتا ہے۔ انسانی خون اور نباتات میں پائے جانے والے سبز مادے (کلوروفل (۲۰)) میں صرف ایک جوہر

کا فرق ہوتا ہے جو انسانی خون میں لوہا اور نباتاتی مادے میں میگنیشیم ہوتا ہے' باقی تمام عناصر و جواہر دونوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ مگر صرف ایک جوہر کے فرق کی وجہ سے ایک چیز سرخ اور دوسری چیز سبز کس طرح بن گئی؟ اسی طرح کلورن (۲۱) ایک زہریلی گیس ہے اور سوڈیم (۲۲) ایک نرم اور سفید دھات' مگر ان دونوں کے تعامل سے کھانے کا نمک وجود میں آتا ہے اس قسم کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں' جن کا سائنس کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ بلکہ یہ صحیفہ فطرت کی وہ گتھیاں ہیں جو انسانی عقل و دانش کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شاید نظام فطرت میں سب سے زیادہ دلچسپ علم یہی ہوسکتا ہے۔ یہ صرف علم کیمیاء سے متعلق بعض حقائق ہیں ورنہ طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات کی دنیا تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے اور ان سب کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ سائنس جب کبھی کوئی نئی حقیقت دریافت کرتی ہے تو کائنات کے اسرار کھلنے کے بجائے وہ اور زیادہ تحیر خیز بن جاتی ہے اور کوئی بھی مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا' جب تک کہ ایک فوق الطبعی ہستی کا وجود تسلیم نہ کرلیا جائے جو دنیائے انسانی کو قدم قدم پر اپنی ربوبیت اور الوہیت کا کرشمے دکھا رہا ہے اسی لئے ارشاد باری ہے:

ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف اللیل والنهار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السماأ من مآ فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السمآءِ والارض لایات لقوم یعقلون (بقرة:١٦٤)

زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں' رات اور دن کے ادل بدل میں' اس کشتی میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر چلتی ہے' اس پانی میں جو اللہ اوپر سے برساتا اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کردیتا ہے' ان جانداروں میں جن کو اس نے روئے زمین پر پھیلا رکھا ہے' ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اس بادل میں جس کو اللہ نے زمین اور آسمانوں کے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (ان تمام مظاہر میں) یقیناً عقل والوں کیلئے (اللہ کی خلاقیت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔

قرآن کی حقانیت کا سائنٹیفك ثبوت:

غرض اس مادی کائنات میں ہر طرف ایک خلاق اور بے مثال قدرت والی ہستی کا وجود نظر آتا ہے' جس کے کرشمے انتہائی محیر العقول ہیں۔ اس اعتبار سے اس کا وجود بالکل ظاہر اور نمایاں ہے مگر آج کل کے اکثر سائنس داں خدا کے وجود کو تسلیم کرنے کے بجائے ''لاادریت'' کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں جو اپنے آپ کو مادہ پرست کہلانے سے ہچکچاتے ہیں۔ کیونکہ اب مادیت کا دور ختم ہو چکا ہے جو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں انتہائی عروج پر تھی۔ مگر بیسویں صدی کی تحقیقات اور جدید ترین طبعی انکشافات نے مادیت کی کمر توڑ دی ہے لیکن مادہ پرست فلاسفہ اب تک ''نظریہ بخت و اتفاق'' ہی کی رٹ لگا رہے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی علمی نظریہ نہیں ہے جسے ''سائنٹفک'' کہا جاسکے۔ بلکہ یہ شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانے کا نام ہے کیونکہ ہمارے سامنے عقلی و منطقی دلائل و براہین کا ایک

انبار موجود ہے جو اس بے بنیاد نظریئے کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہے مگر ضد اور ہٹ دھرمی کی بات ہی کچھ اور ہے جب کوئی شخص ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے تو وہ کسی بھی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نظر نہیں آتا۔

تو اب ایسے منکرین و معاندین کے اذہان اور ان کی بصیرت کیلئے کلام الٰہی میں ایک اور قوی اور کارگر ''ہتھیار'' موجود ہے جس کا انکار مادہ پرست کسی بھی طرح نہیں کر سکتے۔ بلکہ اب انہیں چاروناچار اپنی شکست دریخت تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ نتیجہ یہ کہ اب انہیں یا تو قرآن عظیم کے اس تازہ معجزے کو دیکھ کر ایمان لانا پڑے گا یا پھر اپنی ہی تحقیقات (سائنسی اکتشافات) کا انکار کرنا ہوگا کیونکہ یہ وہ قرآن حقائق ہیں جنکی صحت وصداقت کی گواہی جدید ترین تحقیقات و اکتشافات مسلسل اور لگاتار دے رہے ہیں۔ ان قرآنی حقائق یا اس کی علمی صداقتوں کو ہم ''قرآن کے تصوارت علم'' کا نام دے سکتے ہیں جو نظام کائنات سے متعلق بعض ''راز کی باتیں'' ہیں جن کی حقیقت جدید سائنس اجاگر کر رہی ہے اس مظاہرہ ربوبیت کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات میں مادیات کے ماوراء ایک ''علیم وخبیر'' ہستی ضرور موجود ہے جو اس کائنات کی مشنری سے متعلق ایک ایک چیز اور اسکے ایک ایک بھید سے واقف ہے۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں پیش کردہ ''معقولاتی علم'' خلاق عالم کی ''قدرت'' کو ظاہر کرنے والا تھا' تو یہ ''تصوارتی علم'' اسکی ''علامیت'' کو اجاگر کرنے والا ہے اس لحاظ سے نظام کائنات کے ملاحظے سے ایک زبردست قدرت والی ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے تو کلام الٰہی کے اس جلوے سے ایک علام الغیوب ہستی کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے اور ان دونوں صفات (قدرت الٰہی اور علم الٰہی) کے اثبات سے باری تعالیٰ کی دیگر تمام صفات ذاتی وفعلی کا بھی اثبات ہو جاتا ہے اسطرح باری تعالیٰ کی پوری شخصیت اسکی ذات وصفات سمیت ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے گویا کہ ہم اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن اور سائنس دونوں ایک دوسرے کے مصدق ومویدنظر آتے ہیں جن میں رتی برابر بھی تضاد یا تصادم نہیں ہے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مادہ پرستوں کا دعویٰ ہے کہ ''علم'' صرف وہی ہوسکتا ہے جو خواس خمسہ کے ذریعہ یعنی سائنسی طریقے سے ثابت ہو جائے۔ چنانچہ وہ دین ومذہب اور اس کے عقائد وتعلیمات کے برحق ہونے پر ''سائنسی شہادت'' طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو اذعانی طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں جدید ترین فلسفوں اور خاص کر منطقی اثباتین (لاجیکل پازیٹیو ازم) کا یہی مطالبہ ہے۔ لہذا اب اس نئی منطق کے مطابق قرآن عظیم اپنا رہبرانہ کردار ادا کرتے ہوئے ان کے اس مطالبے کو پورا کر رہے ہے اور ان کے سامنے سائنسی شہادتوں یا ثبوتوں کا ایک انبار لگا رہا ہے' جو خود سائنسی تحقیقات ہی کے ذریعہ ہمارے سامنے آرہے ہیں اور اس مظاہرہ ربوبیت کے ذریعہ قرآن کا نظریہ علم بھی محکم ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی تلاش وجستجو اور غور وفکر کے ذریعہ حقیقت حال تک ضرور پہنچ سکتا ہے جو اس کے لئے باعث حجت ہو سکے۔ بالفاظ دیگر اس کی پہنچ ان نکات تک ضرور ہوسکتی ہے جن کو باری تعالیٰ اپنا وجد ثابت کرنے کی غرض سے اسے دکھانا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خلاق عالم کی عجیب و

غریب حکمت اور منصوبہ بندی ہے۔

قرآن کے تصوارت علم کیا ہیں؟

قرآن کے تصورات علم سے مراد وہ علمی حقائق یا علمی پیش گوئیاں یا وہ ''غیبی اخبار'' ہیں جو کتاب الٰہی میں اس کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت کے طور پر پہلا ہی سے درج ہیں جن کی تصدیق و تائید مستقبل کے حوادث و واقعات سے ہونے والی ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کے کئی وجوہات میں سے ایک اس کے غیبی اخبار بھی ہیں جو بطور پیش خبری اس میں مندرج ہیں؛ جن کی تصدیق مستقبل میں ہونے والی ہو۔ چنانچہ علامہ باقلانی (م ۴۰۳ھ) نے تحریر کیا ہے کہ قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کی تین صورتیں ہیں جو یہ ہیں: اس کے غیبی اخبار (۲) رسول اللہ ﷺ کا امی ہونا (۳) اور قرآن کا نظم کلام۔ (۲۳)

اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی اس سلسلے میں مختلف علماً کے اقوال تحریر کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ اس سلسلے میں قرآن اعجاز کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں؛ جن میں سے ایک اس کی غیبی خبریں بھی ہیں۔

الوجه الثالث ما انطوىٰ عليه من الاخبار بالمغيبات ومالم يكن. (۲۴)

اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کا معجزہ قیامت تک جاری رہے گا اسی طرح وہ اپنے اسلوب بلاغت اور غیبی اخبار میں بھی معجزہ ہے۔ چنانچہ ہر دور میں اس دی ہوئی خبر کے مطابق اس کا دعویٰ صحیح ثابت ہوتا رہے گا۔ (۲۵)

چنانچہ ان غیبی اخبار میں جس طرح بعض واقعات کے مستقبل میں پیش آنے کی خبر دی گئی ہے جیسے نصاریٰ کی آتش پرست ایرانیوں پر فتح کی پیش گوئی (روم: ۱-۶) اسی طرح دین اسلام کے دیگر ادیان پر غالب آنے کی پیش خبری بھی دی گئی ہے (دیکھئے: فتح: ۲۸ اور نور ۵۵) اور یہ تمام پیش خبریاں اس وقت دی گئیں جب نصاریٰ اور مسلمان انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھے اور ان کے فتح یاب ہونے کی کسی کو بھی امید نہیں تھی لیکن یہ تمام پیش خبریاں حرف بحرف پوری ہوئیں۔

اسی طرح اس کلام حکمت میں ''آیات الٰہی'' کے اظہار کے سلسلے میں کچھ علمی خبریں یا علمی حقائق بھی بطور پیشگوئی موجود ہیں جن کی تصدیق علوم و فنون کی ترقی کے بعد ہونے والی ہے چنانچہ اس سلسلے میں بعض آیتیں پچھلے صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں مثلاً سورۂ حم سجدہ آیت نمبر ۵۳' سورہ مومن ۸۱' انبیاء ۳۷ اور نمل ۹۳۔

غرض اس موقع پر آیات الٰہی کے اظہار کے سلسلے میں ایسی ہی بعض پیش گوئیوں کا تذکرہ مقصود ہے جو سائنسی علوم کی ترقی کی بدولت آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چنانچہ ان علمی پیشگوئیوں پر تفصیلی بحث اگلے صفحات میں کی جا رہی ہے جن کے ملاحظے سے ایک طرف خداوند عالم کی بات پوری ہوتی ہے تو دوسری طرف ہمارے ایمان میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئى وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين (نحل: ۸۹)

''اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وہ اہل اسلام کیلئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔''

قل نزله روح القدس من ربك بالحق ليثبت الذين امنوا وهدى وبشرى للمسلمين (نحل:۱۰۲)

''کہدو کہ اس کتاب کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حقانیت کے ساتھ اتارا ہے تا کہ (اس کے ذریعہ) ایمان والوں کے قدموں کو جمائے رکھے اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت اور خوش خبری بن سکے۔''

ان آیات کے ملاحظے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کتاب الٰہی میں ہر چیز یا ہر علم وفن کا تذکرہ بھی موجود ہے تا کہ وہ اہل اسلام کی ہدایت اور ان کی خوش خبری کا باعث بن سکے اور نئے نئے اکتشافات کے باعث وہ دل برداشتہ نہ ہوں یا ان کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش نہ آجائے۔ بلکہ جدید سے جدید تر اکتشافات کے ملاحظے سے خالق ارض وسما کی وہ نشانیاں سامنے آسکیں جن کو اس نے نوع انسانی کو سدھے راستے پر لانے کی غرض سے مظاہر عالم میں رکھ چھوڑی ہیں۔ اور ان نشانیوں کے ذریعہ قرآن حکیم کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو جائے تا کہ اس کے نتیجے میں وحی والہام کے برحق ہونے کی پھر سے تجدید ہو سکے۔

غرض قرآن حکیم کے علمی تصورات سے مراد وہ ''غیبی خبریں'' یا اس کے وہ علمی حقائق ہیں جو اس کتاب حکمت میں کہیں پر صراحتاً اور کہیں پر اشارتاً مذکور ہیں اور وہ عصری تحقیقات کی روشنی میں نکھر کر ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ ان حقائق ومعارف سے استدلال کر کے ہم عصر جدید میں کلام الٰہی کی صداقت کا سائنٹفک ثبوت فراہم کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ مادہ پرستانہ فلسفوں کا مطالبہ ہے اس اعتبار سے آج قرآن عظیم پوری نوع انسانی کے لئے مادہ پرستانہ فلسفوں کے چیلنج کے مقابلے میں ایک جوابی چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ کی باتیں کبھی نہیں بدلتیں:

اس سلسلے میں ایک اصول یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن حکیم کے منصوص بیانات جو لغت اور صحیح تفسیری اصولوں کے تحت ثابت شدہ ہوں ان کا مفہوم کبھی نہیں بدل سکتا، خواہ انسانی نظریات کتنے ہی کیوں نہ بدل جائیں کیونکہ قرآن حکیم کسی انسان کا کلام نہیں، بلکہ خدائے علیم وخبیر کے ''علم ازلی'' کا پرتو ہے، جسے کبھی زوال نہیں آسکتا۔ بالفاظ دیگر علم انسانی اپنے تجربات ومشاہدات کی رو سے اس کے تصورات علم کو کسی بھی حال میں شکست نہیں دے سکتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کے آگے سرنگوں ہوتا رہے گا۔ یعنی ہمیشہ اور دائمی طور پر اس کی تصدیق وتائید کے لئے خود کو مجبور پاتا رہے گا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

الٓرٰ كتاب أحكمت اياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير. (ھود:۱)

''الف لام را، یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکمت والی اور ہر چیز کی خبر رکھنے والی ہستی کی جانب سے (علمی اعتبار سے) مضبوط ومستحکم کر کے پھر مفصل طور پر بیان کی گئی ہیں۔''

باقی صفحہ ۱۵ پر